محمد خرم یاسین* پروفیسر ڈاکٹر محمد ارشد اویسی**

خطبہء سوم اقبال "خدا کا تصور اور دعا کا مفہوم"

(موضوعاتی و تنقیدی تجزیہ)

Abstract: *Dr. Allama Muhammad Iqbal delivered a series of seven English lectures under the title "The Reconstruction of Religious Thought in Islam" for the renaissance of Muslim thought. His third lecture "The Conception of God and the Meaning of Prayer" has in important place in these lectures as it circles around the concept of God in Islam, method to gain His attraction, the concept of time and space and Islamic ideology of the universe. In this article, explanatory study of the lecture is presented with critical point of view.*

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے مسلمانوں کی فکری نشاۃ الثانیہ، روحانی مسائل سے نبرد آزما ہونے اور اسلام کی حقانیت کی وضاحت کے لیے نظم و نثر دونوں میدانوں میں کام کیا۔ ان کا یہ کام "کلیاتِ اقبال" کی صورت میں موجود ہے جس میں ان کی شاعری کے تمام مجموعے موجود ہیں اور نثر کے حوالے سے ان کا شہرہ آفاق کام سات (تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ) ہیں۔ان خطبات کی تیاری میں "The Reconstruction of Religious Thought in Islam" انگریزی خطبات علامہ محمد اقبال نے شبانہ روز محنت کی اور سیٹھ محمد جمال کی دعوت پر ایک ایک کر کے مختلف مقامات پر پڑھنے کا اہتمام ہوا۔ جہاں یہ خطبات پڑھے گئے ان مقامات میں مدراس، بنگلور، میسور، حیدر آباد دکن، علی گڑھ اور لندن (ساتواں خطبہ) شامل ہیں۔ ابتدائی طور پر چھ خطبات کو یک جا کر کے ۱۹۳۰ء میں طباعت کا اہتمام ہوا۔ علامہ محمد اقبال کتاب کے دیباچے میں ان خطبات کی غرض و غایت کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ انھیں مدراس کی مسلم ایسوسی ایشن کی درخواست پر مدراس، حیدر آباد، اور علی گڑھ میں پڑھا گیا۔ چوں کہ اس وقت ان کی تعداد چھ تھی اس لیے ان مقامات میں لندن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ مزید لکھتے ہیں کہ ان خطبات کو دنیا میں ہونے والی ترقی اور جدید فکر کے لحاظ سے یوں پیش کیا گیا ہے کہ علومِ جدیدہ سے تعلق رکھنے والے انسان کی ذہنی ہم آہنگی ہو سکے۔

> "In these Lectures, which were undertaken at the request of the Madras Muslim Association and delivered at Madras, Hyderabad, and Aligarh, I have tried to meet, even though partially, this urgent demand by attempting to reconstruct Muslim religious philosophy with due regard to the philosophical traditions of Islam and the more recent developments in the various domains of human knowledge." (1)

*پی ایچ ڈی اسکالر، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد

**ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ اردو، لاہور گیریژن یونی ورسٹی، لاہور

دیباچے ہی میں یہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ دورِ جدید کے انسان نے چوں کہ ہر شے کو تنقیدی نکتہ نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا ہے اس لیے یہ وہ ہر شے کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتا ہے اور حقائق تک پہنچنے کی جستجو کرتا ہے۔ درحقیقت یہ نکتہ نظر اسلام ہی کا تحفہ تھا اور اسی سبب مسلمانوں نے دنیا بھر میں ترقی کی تھی۔ یوں علامہ محمد اقبال کے ان خیالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خطبات کے مخاطبین خواص اور پڑھے لکھے لوگ تھے۔ ان خطبات کو درج ذیل عنوانات کے تحت ترتیب دیا گیا ہے:

۱۔ علم اور مذہبی مشاہدہ / تجربہ(Knowledge and Religious Experience)

۲۔ مذہبی واردات کے انکشاف کی فلسفیانہ پرکھ (The Philosphical Test of the Revelations of Religious Experience)

۳۔ خدا کا تصور اور عباد / دعا کا مفہوم(The Conception of God and Meaning of Prayer)

۴۔ انسانی خودی، اسکی آزادی اور لافانیت / بقا(The Human Ego-his Freedom and Immortality)

۵۔ مسلم ثقافت کی روح(The Spirit of Muslim Culture)

۶۔ نظامِ اسلام میں حرکت کا اصول / تصور (The Principal of Movement in the Structure of Islam)

۷۔ کیا مذہب کا امکان ہے؟(Is Religion Possible?)

ان خطبات کے موضوعات میں فکر و فلسفہ، سائنس اور اسلام کے اہم مباحث شامل ہےں اور یہ ساتوں خطبات مربوط ہیں۔ جب تک پہلے خطبے کو پڑھا اور نہ سمجھا جائے، اگلے خطبے کا مطالعہ کرتے ہوئے بین السطور تک رسائی مشکل ہو جاتی ہے؛ البتہ آخری دو خطبات کو الگ سے بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو انھوں نے پہلے خطبے میں مذہب بطور ذریعہ علم سے بحث کی ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دیگر ذرائع علوم ہی کی طرح مذہب بھی ایک ذریعہ علم ہے اور ایسا ذریعہ ہے جو دیگر تمام علوم سے زیادہ مستند اور وسیع ہے۔ اس میں علم، وجدان، وحی، روحانیت، علمی تحاریک، مذہبی یا روحانی تجربہ اور اس کے مشمولات شامل ہیں۔ دوسرے خطبے مِیں علامہ محمد اقبال نے مذہبی تجربے کو فلسفیانہ انداز میں پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس پرکھ میں انھوں نے جدید سائنسی علوم (طبیعیات، حیاتیات اور نفسیات) ، زمان و مکاں کے نظریات اور مذہب سے بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ مذہب ہر حوالے سے برتر اور جامع ہے جب کہ ان تمام علوم کی بنیادیں اور نظریات مستقل طور پر تبدیلی سے گزر رہے ہیں۔ اسی میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کی شہادت یا بالفاظِ دیگر علم الکلام کے تین قدیم سے بحث کرتے ہوئے ان پر اعتراضات بھی کیے (Ontological)اور "وجودی"(Teleological) "غائی" (Cosmological) نظریات "کونی" ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے تیسرے خطبے "خدا کا تصور اور عبادت / دعا کا مفہوم" کا آغاز کیا ہے۔ موضوعاتی حوالے سے دیکھیں تو پہلے خطبے میں جہاں یہ کہا گیا کہ مذہب دیگر تمام ذرائع علوم سے برتر ہے وہیں دوسرے خطبے میں اسے سائنس اور دیگر علوم پر پرکھنے کی کوشش کی گئی تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ واقعی یہ ایک ناقابلِ فراموش حقیقت ہے۔ اب تیسرے خطبے میں وہ اسی بحث کو اس جانب موڑتے ہیں کہ اگر خدا کا تصور کریں تو کیسے کریں یا خدا

کے وجود کی ماہیت و نوعیت کیا ہے اور اس سے کس طرح عبادت و دعا کے ذریعے اتصال پیدا کیا جا سکتا ہے۔ شریف بقا کے مطابق اس خطبے کے اہم نکات میں شامل ہے کہ مذہب سے حقائق کی عملی تعبیر ممکن ہے، انائے مطلق کی صفات کیا ہیں اور اسے زمانی و مکانی پیمانوں سے ناپ نہیں سکتے، اسلام تصورِ خدا، نظریہ تخلیقِ کائنات؟ قلب و قالب یا مادہ و روح کی بحث، کائنات کی اصل روحانی، فلسفہ زمان و مکان، خودی اور زمانے کا آپس میں تعلق کی نوعیت، فلسفہ جبر و قدر، مسئلہ خیر و شر اور قصہ آدم و ابلیس کی حقیقت، دعا اور نماز کی حقیقت۔۲ خلیفہ عبدالحکیم علامہ محمد اقبال کے اولین شارحین میں شامل ہیں۔ ان کے مطابق متنوع موضوعات، جامعیت اور صراحت کی وجہ سے یہ خطبہ علامہ محمد اقبال کی فکر کا سب سے بڑا عکاس اور خلاصہ ہے۔ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"اس خطبے میں علامہ محمد اقبال کے افکار و استدلال کا خلاصہ ہے۔" (۳)

علامہ محمد اقبال خطبے کے آغاز میں کہتے ہیں کہ مذہبی فیصلے اور احکامات عقلی معیارات پر بھی پورے اترتے ہیں۔ یعنی ہم عقلی معیارات پر بھی اگر اس دنیا کی تخلیق اور اس کے متعلقات کو دیکھنا چاہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ایک وجود، ہستی یا خودی مطلق ضرور ہے جو اس سارے نظام کو رواں رکھے ہوئے ہے۔ چرند، پرند، پھول، پودے، شبنم، کہکشاں، یہ سب خود بخود نہیں ہیں۔ کائنات کے سارے نظام کو کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ہے جو روا رکھے ہوئے ہے یا اس کے حکم کے تابع ہے۔ علامہ محمد اقبال تمام زندہ اشیا کی خودیوں سے نہایت برتر، ناقابلِ تقسیم فاصلہ اور ہر ایک شے اس کے حکم کے تابع ہونے کی وجہ سے ذاتِ باری تعالیٰ کو خودی مطلق کہتے ہیں اور اسی ضمن سورہ اخلاص کے حوالے سے خودی مطلق کے وجود کو لفظ "اللہ" کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ لفظ تذکیر و تانیث سے واحد جمع تک ہر عیب سے پاک اور تمام خوبیوں کا مالک ہے اور اسی سبب سورہ اخلاص میں خودی مطلق کو "اللہ" کہہ کر پکارا گیا ہے۔ اس خودی مطلق کے بارے میں مزید انکشافات یوں ہوتے ہیں کہ وہ واحد و یکتا یگانہ ہے اور اس کی نہ کوئی اولاد اور نہ ہی وہ کسی کی اولاد۔ یعنی ایسی لافانی ولاثانی انفرادیت جسے اپنی بقا کے لیے نسل بڑھانے کی ضرورت نہیں، جس کا خاتمہ ممکن نہیں اور جس کی کوئی مثال نہیں۔ سورہ اخلاص میں مختصر مگر جامع ترین انداز میں خودی مطلق کی خصوصیات کا بیان کیا گیا ہے۔ علامہ محمد اقبال کے مطابق سورہ اخلاص کا مقصد عیسائی نظریہ تثلیث کا رد نہیں بلکہ خودی مطلق کی انفرادیت کا بیان ہے۔ اسی کو خلیفہ عبدالحکیم اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ:

"سورہ اخلاص کی آیات کا مقصد محض عقیدہ تثلیث کی تردید نہیں بلکہ خدا کے فردِ کامل ہونے کو واضح کرنا ہے۔" (۴)

پروفیسر محمد عثمان ذاتِ باری تعالیٰ کے حوالے سے فکرِ اقبال ہی سے استفہام اخذ کرتے ہیں کہ وہ کیا کائنات میں پھیلی ذات ہے اور اس پر منحصر ہے؟ کیا کائنات میں سے تمام اشیا کا وجود ختم کر دیا جائے تو وہ ذات بھی خاتمے سے دوچار ہو گی؟ نہیں ایسا نہیں ہے۔ یہاں گہرائی اور گیرائی کے تصورات سے معاملہ کچھ کچھ واضح ہوتا ہے۔ نہ مکمل وجود آخری نقطہ ہے اور نہ ہی محض شہود حتمی بلکہ ان کے بیچ بھی ایک راستہ ہے اور وہ یہ کہ ہر شے کی اصل روحانی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے رواں ہے۔ پروفیسر محمد عثمان استفہام یوں بیان کرتے ہیں:

"حقیقتِ مطلقہ کے بارے میں انسان کس قسم کا تصور قائم کرے؟ کیا خدا کی ذاتِ پاک اپنی بے مثال "انفرادیت" رکھتی ہے یا وہ ایک ذاتِ بسیط و لاصورت ہے جو پوری کائنات میں پھیلی ہوئی ہے؟" (۵)

علامہ محمد اقبال کہتے ہیں کہ چوں کہ ہم انسان فکر و نظر کے حوالے سے بہت سی جگھوں پر اس قدر محدود ہیں کہ اپنے حواسِ ظاہری اور تجربات کی روشنی میں ہر شے کو جانچنا چاہتے ہیں اسی لیے ذاتِ باری تعالیٰ کو بھی دنیاوی پیمانوں کے مطابق جانچتے ہوئے خطا اٹھاتے ہیں۔وہ احد ہے اور ایسا احد ہے کہ اسے اپنے بقا کے لیے کسی (Reproduction) بیرونی سہارے کی ضرورت نہیں۔بقول برگساں، ایک انسان اپنی بقا کی خاطر اپنی نسل کو بڑھانے کے لیے توالد و توارث کے مراحل سے گزرتا ہے لیکن ذاتِ باری تعالیٰ ایسی کسی بھی شے کی محتاج نہیں،اس کی "احدیت" ایسے ہر عیب سے پاک ہے۔اس لیے اس کی یہ صفت اسے سب سے ممتاز کرتی ہے اور الہٰ کا مقام بھی بخشتی ہے۔علامہ محمد اقبال نے برگساں کی فکر کو یوں نقل کیا ہے کہ:

> "Individuality is a matter of degrees and is not fully realized even in the case of the apparently closed off unity of the human being"(6)

علامہ محمد اقبال ہی کی فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے سید وحید الدین تحریر کرتے ہیں کہ در اصل یہ بحث وجودِ باری تعالیٰ کے تصور کی نوعیت کی ہے اور تولید کا عمل چوں کہ نسل کو بچانے کے لیے ضروری ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورہ اخلاص میں اس کی مکمل نفی کرتے ہوئے انسان کو بتایا ہے کہ کچھ کام محض اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہیں اور یہ اسی کی شان ہے کہ نجانے کب سے زمین و آسمان کا نظام جاری و ساری ہے۔وہ واحد و یکتا ذات کسی بھی قسم کے سہارے پر منحصر نہیں،وہ زمان و مکان اور ہر قسم کی حدود و قیود سے آزاد ہے۔

"کیا خدا فرض ہے جس پر انا کا اطلاق ہو سکے یا وہ کوئی مبہم سا کونیاتی اصول یا قانون ہے۔اسلامی توحید یا وحدانیت جو خدا کے "لم یلد ولم یولد" ہونے پر اتنا اصرار کرتی ہے اس میں ایک لطیف نکتہ مضمر ہے یہاں اقبال برگساں کے خیالات سے اتفاق کرتے ہیں اور اس مفکر کے حوالے سے اس حقیقت کی طرف نشاندہی کرتے ہیں کے تولید و تناسل کا عمل اور انفرادیت اور فرد کی فردیت ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔"(۷)

یعنی اللہ تعالیٰ کی اس صفتِ کمال کی کوئی بھی مثال انسانی ارتقا سے پیش نہیں کی جاسکتی اور قرآنِ مجید نے جو اللہ تعالیٰ کی انفرادیت اور احدیت پر بار بار زور دیا اس کی وجہ محض عیسائیت کے عقائد کی تردید نہیں بلکہ ایک کامل ترین ہستی کے تصور کی وضاحت ہے۔لکھتے ہیں:

"انیت کاملہ کی یہی خصوصیت ذاتِ الٰہیہ کے اس تصور کا بنیادی جزو ہے جو قرآن پاک کو اس وقت کے مروجہ عیسائیت مسیحی عقیدے کی تردید منظور تھی بلکہ اس لیے کہ فرد کامل کے ٹھیک ٹھیک تصور میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔" (۸)

مزید کہتے ہیں کہ تاریخ مذاہب میں ہمیں وحدۃ الوجود کے جو نظریات عمومی طور پر ملتے ہیں ان کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ درست معانی میں ان کو بیان نہیں کیا گیا یا میں اللہ تعالیٰ کے نور ہونے سے متعلق جو حوالہ(Gifford Lectures) نے اپنے خطبات (Farnell)ان کو بیان کرتے ہوئے خطا اٹھائی گئی۔ مثلاً فارنل پیش کیا گیا وہ محض آیت کا ایک جز بیان کیا گیا ہے کل آیت کو درست انداز میں نہیں دیکھا گیا۔ یوں اس نے دیگر مذاہب کے ساتھ ساتھ اسلام سے بھی نظریہ وحدۃ الوجود کے ثبوت کی کوشش کی۔ علامہ محمد اقبال جو فارنل پر اس لیے معترض ہیں کہ اس نے آیت کا درج ذیل محض ایک حصہ ہی نقل کیا ہے پوری آیت پیش: نہیں کی

"اللہ نور السموات والارض"(۹)

اس کا بظاہر ترجمہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے لیکن یہ ترجمہ اس وقت تک نامکمل ہے جب تک پوری آیت کو نا پڑھا جائے۔ اس کی وجہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کو محض نور ہی تسلیم کر لیا جائے اور نور سے مراد روشنی لی جائے تو روشنی ایک طبعی مقدار ہے جسے پیدا بھی کیا جاسکتا ہے، ختم بھی کیا جاسکتا ہے اور ماپا و جانچا بھی جاسکتا ہے۔ طبعیات میں اس کی اکائی بھی متعین کی جاچکی ہے جسے کنڈیلا کہتے ہیں۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام عیوب و نقائص سے بالاتر ہے البتہ روشنی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی شدت ہر جگہ یکساں رہتی ہے اور اسے اپنے پھیلاو کے لیے کسی دوسرے سہارے(Medium) کی ضرورت نہیں، اسے دیگر دنیاوی مظاہر و اشیا سے ممتاز کرتی ہے۔ یوں اگر درج بالا آیت کا مفہوم اس طرح لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کو منور کرنے والا ہے تو زیادہ بہتر ہو گا۔ سید: وحید الدین اس کی وضاحت یوں پیش کرتے ہیں:

"قرآن میں خدا کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن اس سے ہمہ اوست کے نظریے کی تائید نہیں ہوتی بلکہ خدا کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ حال کی طبیعیاتی تحقیقات کے تحت یہ کہا جاسکتا ہے کہ نور کی تشبیہ خدا کی حضوری کو نہیں بلکہ خدا کی مطلقیت کو ظاہر کرتی ہے"۔ (۱۰)

بہر حال علامہ محمد اقبال نے یہ ساری بحث نہیں کی بلکہ ان کا موقف یہ ہے کہ اس آیت کا ایک حصہ نہیں بلکہ پورا پڑھا جائے تاکہ معاملے کی وضاحت ہو۔ مکمل: آیت کا ترجمہ درج ذیل ہے

"اللہ ہی زمین و آسمان کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں چراغ رکھا ہو وہ چراغ شیشے کے فانوس میں پڑا(رکھا) ہو وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے جو موتی کی طرح چمک رہا ہو۔"(۱۱)

علامہ محمد اقبال اللہ تعالیٰ کی فردیت یا انفرادیت کے حوالے سے درج بالا آیت ہی کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ذاتی طور پر میری سوچ یہ ہے کہ خدا کی نور کے طور پر جو تشریح یہودی، عیسائی اور اسلامی ادبیات میں کی گئی ہے اب ہمیں اس کی تعبیر مختلف انداز میں کرنی چاہیے۔ جدید طبیعیات کے مطابق نور کی رفتار میں اضافہ ممکن نہیں اور

یہ ہر مشاہدہ کنندہ کے لیے ایک جیسی ہوتی ہے خواہ اس کا اپنا نظام حرکت کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ تغیر کی دنیا میں نور ذات مطلق کے قریب ترین ہے۔ نور کے استعارے کا جہاں تک خدا کے لیے استعمال کے تعلق ہے اس کا مفہوم، علم جدید کے پس منظر میں خدا کی مطلقیت ہونا چاہیے نہ کہ اس کا ہر جگہ موجود ہونا۔" (۱۲)

اس کے بعد انھوں نے وجودِ باری تعالیٰ کو ایک اور حوالے سے موضوعِ بحث بنایا ہے اور وہ یہ کہ جب بھی وجود احدیت و واحدیت کا ذکر آتا ہے تو انسانی تصورات میں ایک متناہیت کا تصور ابھرتا ہے۔ یہاں بھی قصور انسان کے محدود تجربے کا نکلتا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ ہم مکان کی متناہیت سے جن حدود یا متناہیت کا تصور کرتے ہیں وہ درست نہیں۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر شے میں موجود ہے تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے وجود کو محض اشیا یا مکان تک محدود کر دیتا ہے۔ اس مسئلے کے حل کے طور پر لکھتے ہیں:

"The answer to this question is that God cannot be conceived as infinite in the sense of spatial infinity. In matters of spiritual valuation mere immensity counts for nothing"(13)

ذاتِ باری تعالیٰ مادی وجود کی محتاج نہیں ہے، اس کی نوعیت روحانی ہے اور وہ ہر شے کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اسی لیے مادے سے اس کے وجود کا ثبات اس کے وجود کو مادے پر منحصر اور مشروط کرتا ہے اور اس کی متناہیت کا پتہ دیتا ہے اور اذہان وجودی و شہودی مسائل میں پھنسے رہ جاتے ہیں۔ اس مسئلے کے حل کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ ہر شے تخلیق اللہ تعالیٰ کی ہے اس لیے وہ اس کا خالق تو ہے لیکن اس میں اس طرح سے موجود نہیں جس طرح عمومی طور پر سمجھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر محمد آصف اعوان اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

"حق تعالیٰ کی ذات کائنات کے ہر ہر جوڑ بند میں موجود ہے تاہم اس کی یوں موجودگی ایسی معنوی اور عمیق (Intensive) سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ گویا ہر قسم کی وسعتیں اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیقیت سے ہویدا ہو رہی (Extension) نوعیت کی ہے کہ پھیلاؤ اور وسعت ہیں لیکن وہ خود ان وسعتوں میں موجود ہونے کے باوجود وسعتوں کا حصہ نہیں" (۱۴)

مزید یہ کہ ہر شے کی اصل روحانی ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور اس کے حکم سے ہی ہے۔ ان معانی ہی میں اس کی کائنات میں موجودگی با آسانی سمجھ آتی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اشیاء اس کی محتاج ہیں لیکن وہ ان کا محتاج نہیں۔ علامہ محمد اقبال نے چوں کہ اللہ تعالیٰ کا تخلیقی تصور پیش کیا ہے یعنی وہ مسلسل تخلیقی عمل کائنات نہیں بلکہ مسلسل تخلیقی رجحانات سے (painted) کر رہا ہے اور اس کے سامنے تخلیقی امکانات ختم نہیں ہوئے اس لیے یہ کائنات کوئی جامد گزر رہی ہے اور اس میں وسعت اور اضافہ ہو رہا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر محمد آصف اعوان لکھتے ہیں:

"گویا خدا کی تخلیقی فعالیت سے باہر کسی شے کا وجود نہیں اور کوئی مادی شے ایسی جو خدا کو محدود یا پابند کر سکے۔"(۱۵)

اس پر ان کا یہ موقف بھی ہے کہ جدید فزکس کے مطابق ہماری فطرت الامتناہی خلا میں ساکن حالت میں موجد نہیں بلکہ ایسے وقعات کا نظام تصور کرتی ہے جو باہم مربوط ہیں۔ زمان و مکان کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"زمان و مکان انائے مطلق کے امکانات ہیں جن کا ہماری زمان و مکان کی ریاضیاتی شکل میں جزوی طور پر اظہار ہوتا ہے۔ خدا سے مورا اور اس کی خلاقی فعلیت پر لاگو کرتی ہے۔ زمان و مکان انائے مطلق کے امکانات ہیں جن کا ہماری زمان و مکان کی ریاضیاتی شکل میں جزوی طور پر ہی اظہار ہوتا ہے۔" (١٦)

علامہ محمد اقبال کے مطابق انائے مطلق کی لامتناہیت کا تعلق اس کی تخلیقی قوت کے لامتناہی اظہار سے ہے اور یہ بھی کہ اس معاملے میں وسعت سے زیادہ عمیق ترین ہونے کا عنصر غالب ہے۔ لکھتے ہیں کہ وہ دیگر خصوصیات جو ہمیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے حوالے سے قرآنِ مجید میں ملتی ہیں ان میں قوتِ تخلیق، علم، قدرتِ کاملہ اور ابدیت شامل ہیں۔

> "The other important elements in the Qur'anic conception of God, from a purely intellectual point of view, are Creativeness, Knowledge, Omnipotence, and Eternity."(17)

علامہ محمد اقبال کے مطابق نہ تو فطرت یا کائنات اللہ تعالیٰ کی غیر اور مقابل شے ہے اور نہ ہی یہ (کائنات) کسی اچانک حادثے کا سبب ہے۔ ان کے مطابق تخلیق ایسا حادثہ یا واقعہ ہرگز نہیں جس کا آغاز یا اختتام ہو۔ خالق اور مخلوق کی دوئی کا اصل سبب ہماری فکر ہے نا کہ حقیقت۔ علامہ محمد اقبال نے خطبہ دوم میں اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ ہماری فکر یا ہماری توجیہات ایک مسلسل عمل کو یا کسی بھی تخلیقی عمل کو اجزاء میں اس لیے تقسیم کر دیتی ہے کہ ہم اسے سمجھ سکیں حالانکہ وہ عمل جزواً نہیں بلکہ ایک کل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس خطبے میں یہاں پہنچ کر انھوں نے اسی خیال کا دوبارہ اعادہ کرتے ہوئے پروفیسر اڈنگٹن کا ایک اقتباس پیش کیا ہے جس کی آخری سطور میں کہا گیا ہے کہ انسانی ذہن کی جانب سے ہمیشگی یا دوامیت کی تلاش و تحقیق ہی نے علم طبیعیات کو جنم دیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

> "Is it too much to say that the mind's search for permanence has created the world of physics?"(18)

خطبے میں پھر اسی ضمن میں خدا کی تخلیقی فعلیت کی بات کی ہے۔ خدا کی تخلیقی فعلیت دراصل کیا ہے یا وہ کس طرح تخلیق کرتا ہے؟ یہ ایک نہایت اہم سوال ہے اور اسے ان کے مطابق اشاعرہ نے بھی موضوعِ بحث بنایا لیکن اس کے بیان میں انھوں نے خطا بھی اٹھائی۔ شاعرہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تخلیقی فعلیت کا اظہار ایٹم یا جوہر سے ہوتا ہے جو ہر لمحہ وجود میں آتے رہتے ہیں یا ان کی تعداد بڑھتی رہتی ہے۔ ایٹم یا جوہر کو جب اللہ تعالیٰ ہستی عطا کرتا ہے تو وہ ظاہر ہوتا ہے اور حقیقت یا مکان میں آتا ہے اور مکان وجود پاتا چلا جاتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا اظہار ہوتا ہے۔ علامہ محمد اقبال لکھتے ہیں کہ ان بیانات سے جوہر یا جوہری عمل کا کوئی خیال، تصور یا تصویر ذہن میں نہیں آسکتا اور مزید یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ کوئی جسامت نہیں رکھتا اور اسے اپنی جگہ بدلنے میں خلا (space) کی ضرورت نہیں ہوتی۔

“The atom in its essence, therefore, has no magnitude; it has its position which does not involve space.” (19)

اس پر وہ سوال کرتے ہیں کہ اگر جوہر (atom) کو جگہ بدلنے کے لیے خلا کی ضرورت نہیں تو وہ کیسے حرکت کرتا ہے جب کہ حرکت اور وقت کا گہرا تعلق ہے۔ جواہر کی حرکت کا ایک حل نظام نے پیش کیا کہ جواہر جست لگا کر حرکت کرتے ہیں یعنی ایک نکتے سے دوسرے نکتے تک جست لگاتے ہیں لیکن اس کے درمیان کے فاصلے کو کیا کہیے یا اس کے حوالے سے ان کی توضیح کیا ہے وہ اس کا جواب نہیں دے پائے۔ علامہ محمد اقبال کے مطابق اس مسئلے کا حل وائٹ ہیڈیوں پیش کرتے ہیں:

”جوہر مکان سے اس طرح گزر نہیں کرتا کہ برابر ایک راستے پر چلتا رہے۔ اس کی ہستی قائم ہے تو اس طرح کی مکان بسیط میں ایک مدت زمانی کے بعد دوسری مدت زمانی کے دوران میں علی التواتر مختلف جگہوں پر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔“(۲۰)

علامہ محمد اقبال اشاعرہ کے نظریے پر اس لیے بھی تنقید کرتے ہیں کہ ان کے مطابق روح کی حیثیت بھی لطیف مادے کی ہے لیکن اس طرح انھوں نے روحانیات کو میکانکی نظریے کا حامل قرار دے دیا۔

”جواہر کا ایک ہی نظام ہے۔ یعنی جسے ہم روح کہتے ہیں یا تو وہ مادہ کی کوئی لطیف صورت ہے یا محض ایک عرض ہے۔“ (۲۱)

علامہ محمد اقبال کے نزدیک جواہر کی حقیقت بھی روحانی ہی ہے۔ اس سب کے باوجود انھوں نے اشاعرہ کے نظریات کو مکمل طور پر نظر انداز کرنے کے بجائے ان کی کئی حوالوں سے تعریف کی ہے جیسے یہ کہ یہ جدید علوم کے ابتدائیے کے طور پر دیکھے جاسکتے ہیں اور پروفیسر میگڈونلڈ نے اس معاملے میں تعصب سے کام لیا ہے اور یہ بھی کہ :

”درحقیقت اشاعرہ نے 'نقطے۔ لمحے' کے جدید نظریے کی ایک دھندلی سے پیش بینی کی' مگر وہ نقطے اور لمحے کے باہمی تعلق کی نوعیت کو درست طور پر جاننے میں ناکام ہوگئے۔“(۲۲)

اس کے بعد علامہ محمد اقبال نے انائے مطلق کا ذکر کیا ہے جس کی تخلیقی قدرت میں فکر و عمل کی دوئی نہیں یعنی وہ جب چاہے، جیسے چاہے، اس کے لیے سب کچھ بلا توقف ہے۔ خودی کے بھی انھوں نے دو اجزا بتائے ہیں جن میں اول انائے فعال اور دوم انائے بصیر ہے۔ ایک انسان کی خودی جس قدر بلند ہوتی چلی جائے گی وہ اتنا ہی خودی مطلق کے قریب تر ہوتا چلا جائے گا۔ اس حوالے سے علامہ محمد اقبال لکھتے ہیں:

”ہستی کے سارے سرگم میں انائیت کا سر بتدریج بلند تر ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ انسان میں اپنی تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید انائے مطلق کو انسان کی شہ رگ سے بھی قریب قرار دیتا ہے۔“(۲۳)

اس مقام پر علامہ محمد اقبال نے انا یا خودی سے بحث کی ہے کہ یہ کیا ہے اور کیسے عمل کرتی ہے۔ ان کے مطابق حقیقت کا تعلق شعور سے ہے اور اس کے درجات خودی کے درجات کے ساتھ تبدیل ہوتے ہیں۔ یہ اپنی ذات میں مرتکز رہتی ہے، اپنی انفرادیت قائم رکھتی ہے اور یہی اس کی حقیقت ہے۔ اگر یہ شر سے بچے، خیر کا ساتھ دے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا مقام حاصل کر لے کہ "خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے" تو یہ اس کا نورِ نظر اور اس کے عملِ تخلیق (جسے عملِ تعمیر یا خیر کا عمل بھی کہا جا سکتا ہے) میں مقام حاصل کر لیتی ہے۔ اسے اسی سبب اشرف المخلوقات کا درجہ بھی دیا گیا اور اپنی اچھائی یا خودی کو ثابت کرنے کی مہلت بھی۔ اس کے بعد انھوں نے "زماں" اس کے تصورات اور اس کی حیثیت کے حوالے سے بات کی ہے۔ زماں کو "دہر" بھی کہا گیا ہے اور "دہر" کو اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام بھی۔ علامہ محمد اقبال اشاعرہ کے نظریہ زماں سے متفق نہیں جنھوں نے فلسفیانہ سطح پر اس کی وضاحت کرتے ہوئے اس مفرد آنات کا ایک سلسلہ قرار دیا۔ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "From this view it obviously follows that between every two individual "nows" or moments of time, there is an unoccupied moment of time, that is to say, a void of time." (24)

دراصل وہ وقت کی اصل کو موضوعی گردانتے ہیں اور جس کسی نے بھی اسے معروضی کہا اسے وہ دنیاوی حوالے سے تو درست مانتے ہیں کہ یہ صبح شام اور دن ہفتوں میں بٹا ہوا ہے لیکن وہ اس بات کے مخالف ہیں کہ اس کی اصل محض معروضی ہے۔ وہ نیوٹن کے اس نظریہ وقت سے بھی متفق نہیں کہ وقت ایک تسلسل سے بہتی ندی ہے کیوں کہ آئن اسٹائن نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وقت اور فاصلے کا تعلق رفتار سے ہے۔ جو شے جتنی تیز ہے اس کے لیے وقت اتنا ہی مختصر ہوتا چلا جاتا ہے: مزید یہ کہ اس طرح اس کے آغاز و اختتام یا حدود کا بھی تعین نہیں ہو پاتا۔ اس حوالے سے کہتے ہیں

> "The metaphor of stream implied in this description suggests serious objections to Newton's equally objective view of time."(25)

زماں کو خالص معروضی حوالے سے دیکھنے پر جو مسائل سامنے آتے ہیں ان میں انھوں نے ملا جلال الدین دوّانی کتاب "زورا" کے ایک پیرے کا حوالہ پیش کیا ہے جس کے مطابق:

> "اگر ہم زمان کو ایک قسم کی مدت تصور کریں تو یہ ہمیں واقعات کا ظہور ایک جلوس کی صورت میں حرکت کرتے ہوئے نظر آنا ممکن بنا دے گا۔ اور یوں یہ مدت ایک وحدت دکھائی دے گی۔ تب ہم اسے ایک الوہی عمل کی طبع زاد صورت کہنے کے سوا اور کوئی توضیح نہ کر سکیں گے جو اپنے پورے تواتر کے ساتھ تمام مراحل سے گزر رہی ہے۔" (۲۶)

ہمارے معروضی وقت کا زمانِ الٰہی سے بہت فرق ہے کہ زمانِ الٰہی میں نہ تقسیم ہے، نہ تغیر اور نہ تواتر۔ یہاں تک کہ یہ تصورِ ابدیت سے بھی بالاتر ہے۔ یعنی نہ اس کی ابتداء کا تعین ہے اور نہ ہی انتہا ہے۔ یعنی وقت خدا کے وجود سے مشروط ہے نا کہ خدا کا وجود وقت سے۔ وہ ہر شے کو بیک وقت تمام دیکھتا اور سنتا ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کے مطابق زماں الٰہی قرآن مجید کی اصطلاح میں "ام الکتاب" ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ محض خالص معروضی اندازِ فکر اور شعوری تجربے کے محتاط نفسیاتی تجزیے کے بنا زماں کی ماہیت کی تفہیم مشکل ہے۔ ان

مباحث کے بعد انھوں نے خدا کے علم اور اس کی قدرت کاملہ سے بحث کی ہے جس کے مطابق یہ کہ اللہ تعالیٰ کے مقابل چوں کہ اور کوئی شے نہیں اور اس کا علم نہایت وسیع ہے لہٰذا اس کے لیے کچھ بھی اضافی نہیں۔ خطبے کے متن اور اس کا ترجمے کا ایک حصہ ملاحظہ کیجیے:

"The alternative concept of Divine knowledge is omniscience in the sense of a single indivisible act of perception which makes God immediately aware of the entire sweep of history, regarded as an order of specific events, in an eternal "now"(27)

ترجمہ: "خدا کے ہاں فکر اور عمل، جاننے کا عمل اور تخلیق کا عمل باہم مترادف ہیں۔"(۲۸)

خدا کی قدرتِ کاملہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ مربوط باہم دگر قوتوں کے نظام کی حیثیت سے فطرت کا ایک یقینی تصور ہے۔ وہ تمام ترخیر کا مرکز و منبع اور سب سے بڑا حکیم ہے۔ انسان اپنے نفس سے مجبور ہو کر شر کی جانب بھی مائل ہوتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ شر کو پیدا کر کے دور بیٹھا اس کا خیر سے برسرِ پیکار ہونے کا تماشہ دیکھ رہا ہے۔ تخریبی قوتیں انسان کی قوتِ ارادی کو بڑھانے اور مقابلہ کرنے کی سکت دینے کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ اسی ضمن میں علامہ محمد اقبال نے حضرت آدمؑ کے زمین پر بھیجے جانے کے واقعے کو بیان کیا ہے۔ علامہ محمد اقبال کے مطابق ایسے بیان کردہ قرآنی قصوں کا مقصد ان کی افادیت بلحاظ اقدار کو واضح کرنا ہے۔ اسی پر انھوں نے ایک قرآنی حوالہ بھی پیش کیا جس کے مطابق نیکی اور بدی دونوں انسان کے امتحان کے لیے ہیں۔ یہاں وہ پھر سے موضوع کا تعلق خودی سے جوڑتے ہوئے کہتے ہیں کہ دراصل حضرت آدمؑ کا جنت سے نکالا جانا ان کی خودی کے جاگنے کے سبب تھا یا یہ کہ حضرتِ آدم کا دنیا میں بھیجا جانا بنیادی طور پر ان کی اپنی خودی کو بچانے کی جدوجہد کا نتیجہ تھا۔ یعنی حضرت آدمؑ کا زمین پر بھیجے جانا ان کی اخلاقی گراوٹ کو ثابت نہیں: کرتا بلکہ یہ جدوجہد سے بھرپور ایک نئی زندگی کا نقطہ آغاز تھا۔ لکھتے ہیں

"The Fall does not mean any moral depravity; it is man's transition from simple consciousness to the first flash of self-consciousness, a kind of waking from the dream of nature with a throb of personal causality in one's own being".(29)

اسی واقعے کے نتائج کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ کتاب اللہ کے مطابق حقیقی جواں مردی یہ ہے کہ مصائب کو صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کیا جائے۔ خطبے کی آخری حصے میں وہ پھر سے اس بات کے قائل دکھائی دیتے ہیں کہ مذہب محض عقائد کا نام نہیں بلکہ عمل و عزائم کا نام بھی ہے اور انھی عزائم کے بل بوتے پر انسان کا اللہ تعالیٰ سے قرب کا رشتہ پیدا ہوتا ہے۔ نماز، دعا یا عبادت قربِ خداوندی کا واحد ذریعہ ہے۔ دعا و عبادت کے انفرادی و اجتماعی فوائد اکا ذکر کرتے ہوئے انھوں :نے خطبے کا اختتام کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد آصف اعوان فکرِ اقبال کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"اقبال کے خیال میں عبادت کے وصلِ الٰہی ہونے میں کوئی ایسی اسراریت نہیں ہے کہ جس کو سمجھا نہ جاسکے۔ صوفیا کرام کی زندگیاں اس بات پر گواہ ہیں کہ عبادت روحانی طور پر کسب انوارِ الٰہی کا ایک عام ذریعہ رہی ہے۔ عبادت سے قرب اور وصل الٰہی کی ہی بدولت انسان کی شخصیت کا چھوٹا سا جزیرہ اچانک ایک ایسے بحر بیکراں کی سی وسعت حاصل کر لیتا ہے کہ جس کے باعث اس کی زبان سے "سبحانی ما اعظم شانی" اور "انا الحق" جیسے الفاظ سرزد ہو جاتے ہیں۔"(۳۰)

حوالہ جات:

1. Muhammad Iqbal, Dr., The Reconstruction of Religious Thought in Islam, Lahore: Iqbal Academy Pakistan, Preface

۲۔ محمد شریف بقا، خطباتِ اقبال ایک جائزہ، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۱ء، ص: ۴۹

۳۔ خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، تلخیص خطباتِ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۸ء، ص: ۶۳

۴۔ خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، تلخیص خطباتِ اقبال، ص: ۶۴

۵۔ محمد عثمان، پروفیسر، فکرِ اسلامی کی تشکیلِ نو، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص: ۱۷

6. Muhammad Iqbal, Dr. "The Reconstruction of Religious Thought in Islam,P-50

۷۔ وحیدالدین، سید، فلسفہ اقبال خطبات کی روشنی میں، لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۲۰۱۰ء، ص۵۵

۸۔ سید نذیر نیازی، تشکیلِ جدید الہیاتِ اسلامیہ، لاہور: بزمِ اقبال، ۲۰۱۲ء، ص: ۱۱۶

۹۔ القرآن، سورۃ نور ۲۴:۳۵

۱۰۔ وحیدالدین، سید، فلسفہ اقبال خطبات کی روشنی میں، لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۲۰۰۱ء، ص۵۵

۱۱۔ وحید عشرت، ڈاکٹر، تجدید فکریاتِ اسلام، طبع سوم، لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۱ء، ص: ۶۹

۱۲۔ ایضاً

13. Muhammad Iqbal, Dr. "The Reconstruction of Religious Thought in Islam, P-52

۱۴۔ محمد آصف اعوان، ڈاکٹر، اقبال کا تیسرا خطبہ: تصور خدا اور عبادت کا مفہوم (تحقیقی و توضیحی مطالعہ)، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ء، ص: ۳۵

۱۵۔ محمد آصف اعوان، ڈاکٹر، معارف خطباتِ اقبال، لاہور: نشریات، ۲۰۰۹ء، ص: ۷۶

۱۶۔ ایضاً، ص: ۵۸

17. Muhammad Iqbal, Dr. "The Reconstruction of Religious Thought in Islam, P-52
18. Ibid. P-53, 19. Ibid. P-55

۲۰۔ سید نذیر نیازی، تشکیلِ جدید الہیاتِ اسلامیہ، ص: ۱۲۳

۲۱۔ وحید عشرت، ڈاکٹر، تجدید فکریاتِ اسلام، ص: ۲۹

۲۲۔ محمد آصف اعوان، ڈاکٹر، معارف خطباتِ اقبال، لاہور: نشریات، ۲۰۰۹ء، ص: ۷۶

۲۳۔ وحید عشرت، ڈاکٹر، تجدید فکریاتِ اسلام، ص: ۹۶

24. Muhammad Iqbal, Dr. "The Reconstruction of Religious Thought in Islam, P-52
25. Ibid.

۲۶۔ وحید عشرت، ڈاکٹر، تجدید فکریاتِ اسلام، ص: ۹۸

27. Muhammad Iqbal,Dr. "The Reconstruction of Religious Thought in Islam, P-62

۲۸۔ وحید عشرت، ڈاکٹر، تجدید فکریاتِ اسلام، ص: ۹۹

29. Muhammad Iqbal,Dr. "The Reconstruction of Religious Thought in Islam, P-68

۳۰۔ محمد آصف اعوان، ڈاکٹر، اقبال کا تیسرا خطبہ: تصور خدا اور عبادت کا مفہوم (تحقیقی و توضیحی مطالعہ)، ص: ۱۸۰

☆☆☆☆☆